سورۃ المعارج

اسے سورۃ سأل بھی کہا گیا ہے اس میں ۴۴ آیات ہیں یہ سورۃ مکی ہے۔قرطبی نے ابن عباسؓ وابن زبیرؓ سے روایت کی ہے کہ مکہ میں نازل ہوئی تھی اور اسی پر اتفاق ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱-۲-۳) **سَاَلَ سَآئِلٌ**(ترجمہ:۔طلب کرنے والے نے طلب کیا) جمہور نے کہا کہ یہ نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی تھی کیونکہ اس نے کہا تھا کہ اے اللہ اگر یہ قران تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر اپنی طرف سے آسمان سے پتھر برسا یا دردناک عذاب لا۔اور وہ بدر والے دن قتل ہو گیا تھا۔اور ربیع بن انس نے کہا ہے کہ یہ ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قریش کے ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی تھی اور یہ بھی مروی ہے کہ یہ حارث بن نعمان فہری کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ جمہور نے سأل کو ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔اور اسے الف کے ساتھ سیلان مصدر سے سأل بھی پڑھا گیا۔پہلی صورت میں سأل کے معنی ہوں گے دعا یعنی دعا کرنے والے نے دعا کی اور داعی کے بارے میں اختلاف ہے۔بعض نے کہا وہ نوحؑ ہیں کہ انہوں نے اللہ سے کافروں کے لئے عذاب کی دعا کی تھی اور بعض نے کہا بعض مشرکین نے یہ سوال کیا تھا۔کیونکہ نبی ﷺ نے جب انہیں عذاب سے ڈرایا تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ محمد ﷺ سے یہ تو پوچھو کہ عذاب کس پر نازل ہوگا۔اور بعض نے کہا کہ سوال کرنے والی ہستی رسول اللہ ﷺ ہیں کیونکہ جب آپ نے کفار کو کفر پر اصرار استکبار وعناد دیکھا تو آپ نے اللہ سے سوال کیا تھا قبیلہ مضر کی طرح ان پر سخت گرفت فرما اور اس پر اللہ کا ارشاد گرامی فاصبر صبرا جمیلا (المعارج ۵) بھی دلالت کرتا ہے۔**بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ٥ لِّلْكَافِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ٥ مِّنَ اللّٰهِ ذِى الْمَعَارِجِ٥**(ترجمہ:۔عذاب کو جو واقع ہونے والا ہے کافروں کو اسے کوئی دفع کرنے والا نہیں۔ وہ اللہ کی طرف سے ہوگا جو سیڑھیوں کا مالک ہے) اس قراءت کے مطابق بعذاب میں 'با' عن کے معنوں میں ہے۔اخفش کہتا ہے کہا جاتا ہے کہ خرجنا یسئل عن فلان بن فلان نافع اور ابن عامر نے سوال کے باب سے الف کے ساتھ سأل پڑھا ہے۔ابوحیان کہتا ہے کہ یہ غیر قیاسی طور پر بدل ہے۔اور قیاس ہے کہ یہ بین بین ہے۔اور جائز ہے کہ وہ اس لغۃ پر ہو جس نے کہا سلت اسال اس کی حکایت سیبویہ نے کی ہے۔میں کہتا ہوں کہ صاحب اللسان نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔علامہ زمخشری نے ''المفصل'' میں کہا ہے کہ اس کے بدلے حروف لین آتے ہیں اور منسأۃ کہا جاتا ہے۔اسی سے فرزدق کا قول ہے۔

راحت لمسبلۃ البغال عشیۃ فارعی فزارۃ لا ھناک المرتع

فزارۃ چیتے کی مادہ کو کہتے ہیں اور ھناک اصل میں ھنا ہے۔

ابوعلی فارسی نے کہا ہے کہ سوال دراصل دو مفاعیل سے متعدی ہوتا ہے اور ان میں سے کسی ایک پر بھی اقتصار جائز ہے اور اس کی

طرف حرف جر سے متعدی ہوتا ہے۔ واقع ہونے والے عذاب سے یا تو اس کا دنیا میں وقوع مراد ہے جیسے کہ بدر والے دن وہ قتل کئے گئے یا آخرۃ میں اس کا وقوع مراد ہے اور وہ ہے ان کا آگ میں داخل ہونا۔ البتہ جس نے سیلان سے سال پڑھا ہے اس کی تائید ابن عباسؓ کی قراءت بھی کرتی ہے اور وہ ہے سال سیل۔ اور سیل ' سائل کے معنی میں مصدر ہے جیسے غور کا لفظ بمعنی غائر کے ہے۔ معنی یہ ہیں کہ واقع ہونے والے عذاب سے ان پر وادی پلٹ پڑے گی اور یہ زید بن ثابتؓ اور عبدالرحمٰن ابن زیدؒ کا قول ہے۔ اور وہ دونوں کہتے ہیں سائل جہنم کی وادیوں میں سے ایک وادی ہے۔ اور لفظ من اللہ کا لفظ واقع کے ساتھ متعلق ہونا جائز ہے۔ یعنی اللہ کی طرف سے صادر ہونے والے اس عذاب کو کوئی بھی اپنی طرف سے واقع کرنے والا نہیں ہے یہ امام رازی نے ذکر کیا ہے اور ذی المعارج یعنی المصاعد والدرج اور قتادہ کہتے ہیں کہ ذی المعارج کے معنی ہیں ذی الفواضل والنعم اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ معارج الملائکہ کے معنی ہیں ان کے چڑھنے کی جگہ اور فراء کہتا ہے کہ لفظ ''ذی'' یہ اللہ کی لغت کا لفظ ہے کیونکہ فرشتے اس کی طرف عروج کرتے ہیں۔ تو اللہ نے اپنا وصف اس لفظ کے ساتھ بیان فرمایا۔ اور ابن عباسؓ کہتے ہیں اس سے مراد معارج السموات ہے جن میں فرشتے ایک آسمان سے دوسری آسمان کی طرف چڑھتے ہیں۔ اور حسن نے کہا ہے کہ معارج آسمان کی سیڑھیاں ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ کمرے ہیں جو جنت میں اولیاء کے لئے ہوں گے۔ اور وہ مَعْرج کی جمع ہے۔ اور مصعد ہے یا اس سے مراد وہ راستہ ہے جس میں فرشتے چڑھتے ہیں۔ فراء کہتے ہیں معارج ' مِعْرج کی جمع ہے اور ازہری کہتا ہے کہ معراج کی جمع معارج آنا بھی جائز ہے۔ نیز معاریج بھی اس کی جمع ہے۔ جیسے مفاتح اور مفاتیح۔ فراء کہتا ہے کہ اگر یہ معاریج کے وزن پر جمع ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا اخفش کہتا ہے کہ مِعْرج اور مَعْرج اس کے واحد لائے جاسکتے ہیں۔ جیسے مِرقاۃ اور مَرقاۃ۔

(۴) تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ (ترجمہ:۔ فرشتے اور جبرئیل اس کی طرف عروج کرتے ہیں) قراء جمہور نے سوائے کسائی کے اسے ''تا'' کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور کسائی اسے ''یا'' سے اور اسکی روایت ابن عباسؓ سے لایا ہے۔ یعنی اللہ کی طرف سے اور بحث الروح میں ہے جو پہلے گذر چکی ہے۔ اور عالم امر میں سے دخول وخروج فرح اور غم سے متصف ہوتا ہے۔ جیسے کہ غزالی اور حکماء نے کہا ہے ایسا نہیں ہے اور کہا گیا ہے کہ یہاں پر الروح سے مراد جبرئیلؑ ہیں اور محض اس لئے اکیلے کا ذکر کیا گیا ہے۔ کہ وہ فرشتوں کا مطاع ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ دیگر تمام فرشتوں سے عظیم فرشتہ ہے۔ اور یہ بھی قول ہے کہ انسانی ھیئت کی طرح اللہ کی مخلوق میں سے ایک ہے۔ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (ترجمہ:۔ وہ عذاب ہوگا اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے) ابن اسحاق کہتے ہیں یعنی ایسے وقت میں جسکی مقدار دوسری مقدار کے مقابلہ میں اگر کوئی چڑھے تو پچاس ہزار برس ہوگی۔ یہی مجاہد کا قول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر کوئی عاقل وحاذق شخص قضاء کی کرسی پر بیٹھ جائے تو اسے فیصلے کرنے اور جھگڑے نمٹانے میں پچاس ہزار برس لگ جائیں گے۔ قتادہ وغیرہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد ہے قیامت کا دن اور وہ اس مقدار میں ہوگا کہ اگر غیر اللہ کا اس کا متولی ہوتا تو پچاس ہزار برس لگ جاتے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی مقدار کفار پر (۵۰) ہزار برس ہوگی۔ اور وہ ان کے غم وحزن کی

طولانی کی وجہ سے ہوگا۔ البتہ مومنین پر اس دن کی مقدار ظہر اور عصر کے درمیانی وقت کے مقدار کے برابر ہوگی اور اس کی تائید ابوسعید خدریؓ کی روایت بھی کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ پچاس ہزار برس کا یہ دن کتنا طویل ہوگا تو آپ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے وہ مومن پر خفیف ہوگا یہاں تک دنیا میں پڑھی جانے والی نماز سے بھی زیادہ ہلکا ہوگا۔ ابومسلم اصفہانی فرماتے ہیں کہ یہ دن پوری دنیا کا دن ہوگا دنیا کی تخلیق سے ایام دنیا کے آخری دن تک۔ تو اللہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ دنیا کے دن کے عرصہ میں فرشتوں کا عروج ونزول لازمی ہے۔ اور اس دن کی مقدار پچاس ہزار برس ہوگی۔ اگر کہا جائے کہ یہ آیت **فی یوم کان مقدارہ الف سنة** (السجدة۵) کے فرمان سے مطابقت نہیں رکھتی تو مفسروں نے جواب میں کہا ہے کہ اسفل عالم سے لے کر عرش کے کنارے تک جو کچھ ہے اس کا فاصلہ پچاس ہزار برسوں کے برابر ہے۔ اور آسمان دنیا سے زمین تک فاصلہ ایک ہزار برس ہے۔ کیونکہ ہر آسمان کی چوڑائی پانچ سو برس پر محیط ہے اور نچلے آسمان سے زمین کے قرار (اونچی سطح) تک پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔ تو اللہ کے اس ارشاد **فی یوم** سے مراد دنیا کے دنوں میں سے ایک دن ہے اور وہ ایک ہزار سال کی مقدار ہے اگر وہ آسمان دنیا کی طرف چڑھیں اور پچاس ہزار برس کی مقدار اگر وہ عرش کے آخری کنارے تک چڑھنا چاہیں۔ واللہ اعلم۔

(۵) **فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا** (ترجمہ:۔ تو آپ صبر جمیل فرمائیں) ابن زید کہتے ہیں کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب اللہ نے آپ کو کافروں سے انتقام لینے کے بجائے انہیں معاف کرنے کا حکم دیا تھا۔ پھر جب آپ کو جہاد کا حکم دیا گیا تو یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ علامہ طبری کہتے ہیں کہ اس کی صحت پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ یہ اس لئے کہ آپ کا مشرکوں کی اذیت پر صبر جمیل کے حکم سے معمور ہونا آپ کے جہاد نہ کرنے کو لازم نہیں کرتا کیونکہ آپ ﷺ جہاد کے بعد بھی ان کی اذیتوں پر صبر کرنے والے تھے جیسا کہ آپ اس سے پہلے بھی صابر تھے یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو عالم قدس کی طرف بلا لیا اور آپ نے پردہ فرمایا لہذا کوئی نسخ وغیرہ نہیں ہے۔

(۶۔۷) **اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ** (ترجمہ:۔ یقیناً وہ لوگ اسے دیکھتے ہیں) یعنی واقع ہونے والے عذاب کو یا یوم القیامۃ کو **بَعِيْدًا ۝ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ۝** (ترجمہ:۔ دور اور ہم قریب دیکھتے ہیں) یعنی ہم جانتے ہیں کہ وہ عذاب جلد ہی واقع ہونے والا ہے۔

(۸) **يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ** (ترجمہ:۔ اس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبہ کی طرح ہوگا) اور یہ وہ ہے جو تانبہ، سیسے اور چاندی سے پگھلائی جائے۔ اور ابوعمرو اور مجاہد نے کہا **کالمھل** یعنی تیل کا گاد یعنی اس دن اس کا رنگ سرخی مائل ہوجائے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ تارکول کی ایک قسم ہے جو رقیق ہوتا ہے اور تیل سے مشابہ ہوتا ہے۔

(۹) **وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ** (ترجمہ:۔ اور پہاڑ دھنکی ہوئی اون کی طرح ہوجائیں گے) یعنی رنگی ہوئی اون کی طرح متنوع رنگوں میں پہاڑوں کے رنگوں کے اختلاف کی وجہ سے سفید چٹانیں اور سرخ مختلف رنگوں میں اور گہرا سیاہ جب یہ منتشر ہوں گے۔ اور فضا میں یوں اڑیں گے جیسے کہ دھنی ہوئی رنگین اون۔

(۱۰) **وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ** (ترجمہ:۔ کوئی بھی دوست نہیں پوچھے گا) قریبی شخص۔ **حَمِيْمًا** (ترجمہ:۔ کسی دوست کو) کسی

قریبی شخص کا حال احوال اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک اس دن اپنی اپنی حالت میں مصروف ہوگا لیکن وہ

(۱۱۔۱۲۔۱۳) **يُبَصَّرُوْنَهُمْ** (ترجمہ:۔سب دکھادئے جائیں گے) یعنی قریبی اقرباء کو دکھائے جائیں گے اور ان سے ان کا حال نہیں پوچھیں گے۔ کیونکہ وہ اپنے حال میں گرفتار ہوں گے۔ابن کثیر نے اسے **لا یسئل** پڑھا اور قتادہ نے **یبصرون** کے بجائے **یبصرونھم** پڑھا ہے۔**يَوَدُّ الْمُجْرِمُ** (ترجمہ:۔مجرم تمنا کرے گا) یعنی کافر تمنا کرے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر گناہ گار تمنا کرے گا **لَوْ يَفْتَدِىْ مِنْ عَذَابِ يَوْمَئِذٍم** (ترجمہ:۔کاش اس دن کے عذاب سے رہائی کے بدلے میں دے دے) جمہور نے **من عذاب** کو مضاف کر کے پڑھا ہے۔یعنی اس عذاب سے جس میں وہ اس دن مبتلا ہوں گے۔**بِبَنِيْهِo وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِo وَفَصِيْلَتِهِ** (ترجمہ:۔اپنے بیٹوں کو اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی کو اور اپنے کنبے کو) **فصیلۃ** اصل میں جسم کے اعضاء کے ٹکڑے کو کہا جاتا ہے اور کسی انسان کا فصیلۃ اس کا کنبہ ہے اور قریبی عزیز ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے اس کے آباء میں سے قریبی شخص۔ثعلب نے کہا ہے کہ حضرت عباسؓ کو فصیلۃ النبی ﷺ بھی کہا جاتا تھا۔ابن اثیر کہتے ہیں کہ فصیلۃ انسان کے کنبہ میں سے قریبی شخص کو کہا جاتا ہے۔**الَّتِىْ تُؤْيِهِo** (ترجمہ:۔جو اسے پناہ دیتا ہے) یعنی اسے نسب میں ملاتا ہے اور مشکلات و مصائب میں اپنے ساتھ شریک کر لیتا ہے۔

(۱۴) **وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا** (ترجمہ:۔اور ان سب کو جو زمین میں ہیں) یہاں ''من'' تغلیب کے لئے ہے یعنی جن و انسان اور تمام مخلوقات میں سے۔اور **لو یفتدی** کے جملے میں ''لو'' تمناء کے معنی میں ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اَنِ ناصبہ کے معنی میں ہے۔اس لئے اس کا جواب نہیں ہوگا اور تقدیر کلام یوں ہوگی۔**یود المجرم افتداء من عذاب یومئذ بینیہ الخ**۔**ثُمَّ يُنْجِيْهِ** (ترجمہ:۔پھر یہ اسے بچالے) زہری نے **تویہ** اور **ینجیہ** ''ھا'' کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔اور پھر **یفتدی** پر عطف کیا گیا ہے معنی یہ ہیں وہ چاہے گا کہ کاش وہ فدیہ دے دے اور پھر فدیہ دینا اسے نجات دلا دے۔اور ''ثم'' کا لفظ نجات کے بُعد کو ظاہر کرنے کے لئے ہے یعنی اس کا نجات پانا ان تمام اشیاء کے بدلے میں بعید ہے۔

(۱۵) **كَلَّا** (ترجمہ:۔ہرگز نہیں) یہ مجرم کے لئے۔فدیہ کے بدلے میں نجات حاصل کرنے کی آرزو اور خواہش اور امید باندھنے سے ڈانٹ کا لفظ ہے۔**اِنَّهَا** (ترجمہ:۔بے شک وہ) اس میں ضمیر آگ کی طرف لوٹ رہی ہے جس پر قصہ کا سیاق و سباق دلالت کر رہا ہے۔ **لَظٰى** (ترجمہ:۔سخت بھڑکتی ہوئی آگ ہے) **لظٰی** کے اصل معنی ہیں بھڑکنا اور اس کے بعد یہ لفظ آگ کے نام سے منسوب کر دیا گیا ہے۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ **لظیٰ** 'انھا کی ضمیر کا بدل ہے۔

(۱۶) **نَزَّاعَةً** (ترجمہ:۔اتار لینے والی ہے) کہا گیا ہے کہ لفظ **لظٰی** ''انھا'' کی ضمیر سے بدل ہے اور انّ کی خبر نزّاعۃ ہے۔ یا لفظ **لظٰی** انّ کی خبر ہے اور نزاعۃ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی وہ اتار لینے والی ہے یہ جمہور کی قراءت کے مطابق ہے اور وہ ہے **رفع**۔ اور ابن ابی عبلہ اور ابو حیاۃ' اور ابن مقسم اور حفص اور یزیدی نے نزاعۃ کو حال کی وجہ سے منصوب پڑھا ہے۔اور اس میں عامل 'لظیٰ ہے۔ابو علی الفارسی کہتے ہیں اسے حال پر محمول کرنا بعید ہے۔کیونکہ کلام میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے۔جو حال میں عمل کرتا ہے اس کے

جواب میں کہا گیا ہے کہ عامل، تلظی کے معنی میں ہے اس پر دلالت کرنے والا کلام عامل ہے۔ **لِلشَّوٰی** (ترجمہ:۔کھال کو) کہا گیا ہے کہ شوی کا مطلب ہے تمام اطراف۔الہذلی کا شعر ہے۔

اذا قامت تقشعر شواتها وتشرف بين الليت منها الى الصقل

اس سے مراد پوری کی پوری جلد ہے فراء نے کہا کہ شوی سے مراد دونوں ہاتھ پاؤں اور انگلیوں کے کنارے اور کھوپڑی ہے۔ زجاج نے کہا ہے کہ شوی، شواۃ کی جمع ہے۔وروہ سر کی کھال ہے۔کسائی کہتا ہے کہ شوی جوڑوں کو کہا جاتا ہے۔

(۱۷) **تَدْعُوْا** (ترجمہ:۔بلائے گی) یعنی وہ سخت بھڑکتی ہوئی آگ۔**مَنْ اَدْبَرَ** (ترجمہ:۔اسے جس نے پیٹھ پھیری) اللہ اور اس کے رسول سے دنیا میں۔**وَتَوَلّٰی** (ترجمہ:۔اور روگردانی کی) یعنی اس سے منہ پھیرا اور وہ کافر اور منافق ہے۔اسمیں فاسق مومن داخل نہیں ہوگا۔کیونکہ اس میں اللہ اور اس کے رسول سے منہ موڑنے اور پیٹھ پھیرنے کا وصف نہیں پایا جاتا۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کافر اور منافق کو جہنم کے داروغے بلائیں گے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ تخیل وتمثیل سے، زبان سے بلانا مراد نہیں ہے گویا کہ وہ انہیں جلانے کے لئے مضطرب ہوگی اور انہیں بلائے گی۔

(۱۸) **وَجَمَعَ** (ترجمہ:۔اور اس نے جمع کیا) یعنی مال کو **فَاَوْعٰی** (ترجمہ:۔پھر اسے روکے رکھا) یعنی محفوظ رکھا اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کیا۔اس کی زکواۃ ادا نہیں کی۔

(۱۹) **اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا** (ترجمہ:۔بے شک انسان کم حوصلہ پیدا کیا گیا ہے) یعنی شدید الحرص۔رجل هلع، هالع، هلوع، هلواع کے معنی ہیں رونے دھونے والا حریص۔فراء کہتا ہے کہ اس کے معنی ہیں بے چین وغم اندوہ لئے بیکل اور اس کی صفت جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے

(۲۰۔۲۱) **اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًاo وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا o**۔(ترجمہ:۔جب اسے نقصان پہونچے تو سخت گھبراہٹ میں آجاتا ہے۔اور جب فائدہ پہنچے تو روک رکھنے والا ہوجاتا ہے۔) یہ ہے اس کی صفت۔ابوالعباس المبرد کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص خیر وشر دونوں پر صبر نہ کرے اور دونوں ہی میں ناحق رویہ رکھے تو اسے رجل هلوع کہا جاتا ہے۔اور اس کے بعد کسی شاعر کا قول لایا ہے۔

ولی قلب سقيم ليس يصحو و نفس ما تفيق من الهلاع

حدیث شریف میں ہے کہ **من شرّ ما اعطی المرء شح هالع وجبن خالع** یعنی انسان کو جو بدتر چیز دی جاتی ہے وہ کم حوصلگی، بخل اور بزدلی ہے یعنی اس میں بندے جزع وفزع کرتا ہے۔ابوعبیدہ کہتے ہیں هلوع اسے کہتے ہیں جسے خیر پہونچے تو شکر نہ کرے۔اور برائی پہونچے تو صبر نہ کرے۔ان آیات میں هلوعا جزوعا اور منوعا کو نصب دی گئی ہے کہ وہ مقدر حال ہے۔اور پہلی ''اذا'' جزوعاً کی اور دوسری منوعا کی ظرف ہے۔

(۲۲) **اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ** (ترجمہ:۔سوائے نمازیوں کے) یہ لفظ الانسان سے استثنٰی ہے کیونکہ اس میں جمع کا مفہوم ہے۔یعنی سوائے نماز قائم کرنے والے مومنوں کے۔کہ وہ منع، جزع، ہلع جیسی مذموم صفات کے حامل نہیں ہوتے۔

(۲۳) **الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ** (ترجمہ:۔جو اپنی نماز پر ہمیشگی اختیار کرتے ہیں) زجاج نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جن کے چہرے سمت قبلہ سے زائل نہیں ہوتے نخعی نے کہا کہ نماز سے مراد فرض نماز ہے۔اور ابن مسعودؓ نے کہا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نماز وقت پر پڑھتے ہیں۔اور نماز پر دوام سے یہ مراد بھی لینا ممکن ہے کہ وہ ہر وقت ہر آن اللہ کی طرف متوجہ رہتے اور کسی بھی حال میں غیر اللہ کی طرف التفات نہیں کرتے۔

(۲۴-۲۵) **وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ** (ترجمہ:۔اور وہ لوگ جن کے مال میں مقرر حق ہے سوال کرنے والے کے لئے) جو لوگوں سے مانگتا ہے اور **وَالْمَحْرُوْمِ** (ترجمہ:۔سوال سے بچنے والے کے لئے) یعنی وہ شخص جو سوال سے بچتا ہے اور اللہ پر توکل کرتا ہے پھر لوگ اسے غنی تصور کرتے ہیں اور اسی صفت کی وجہ سے اللہ کے نزدیک مکرم بھی ہے۔ حق معلوم سے مراد زکواۃ نہیں جیسا کہ ہم سورۃ الذاریات میں ذکر کر آئے ہیں کیونکہ یہ سورۃ مکی ہے۔

(۲۶) **وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ** (ترجمہ:۔اور وہ لوگ روز جزا کی تصدیق کرتے ہیں) یعنی جزاء کے دن پر یقین رکھتے ہیں۔اور وہ ہے قیامت کا دن۔

(۲۷) **وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ** (ترجمہ:۔اور وہ لوگ اپنے رب کے عذاب سے خوف زدہ رہتے ہیں۔) مشفقون یعنی ڈرنے والے ہیں۔

(۲۸) **اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ** (ترجمہ:۔بے شک ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں) یعنی کوئی بھی کافر، منافق، اور گنہ گار اس کے عذاب سے بے خوف نہیں ہے۔اسی وجہ سے مومن کو چاہئے کہ خوف و امید کے درمیان رہے اور اسے امید رکھنا چاہئے کہ اللہ اس پر فضل فرمائے گا۔

(۲۹-۳۰) **وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ** (ترجمہ:۔اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں بجز اپنی بیویوں کے) یعنی منکوحات۔**اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ** (ترجمہ:۔یا بجز اپنی مملوکہ کنیزوں کے) یعنی اپنی باندیوں کے۔**فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ** (ترجمہ:۔بے شک ان پر کچھ ملامت نہیں) ترک حفاظت پر۔

(۳۱) **فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ** (ترجمہ:۔تو جو شخص ان کے علاوہ طلب کرے) عورتیں وغیرہ۔**فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ** (ترجمہ:۔تو وہی لوگ حد سے گزرنے والے ہیں) یعنی حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والے۔ یہ آیت ممتوعہ کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔کیونکہ وہ زوجہ میں داخل نہیں ہے اور وہ شادی شدہ عورت ہوتی ہے۔اگر ممتوعہ اس کے حکم میں داخل ہوتی تو متع کرنے والے شخص کی موت کے بعد اس کی وارث بھی ہوتی اور وہ "ماملکت ایمانهم" کے حکم میں داخل نہیں کیونکہ وہ باندی بھی

نہیں ہے۔ مشہور ہے کہ جب مامون نے متع کو جائز رکھا اور اس کے جواز پر اصرار کیا تو اس کے بعض قاضیوں نے کہا کہ متع کتاب اللہ کی روشنی میں حرام ہے کیونکہ ممتوعہ عورت نہ تو ازواج میں شامل ہے اور نہ باندیوں میں۔ لہذا وہ حرام ہی ہے۔ پس مامون نے متع کی حرمت کی طرف رجوع کرلیا۔

(۳۲) **وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَ مٰنٰتِهِمْ** (ترجمہ:۔ اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں) یعنی اپنے پاس رکھی ہوئی امانتیں۔ **وَعَهْدِهِمْ** (ترجمہ:۔ اور اپنے عہد کی) وہ عہد جسے اپنے اوپر باندھتے ہیں۔ **رٰعُوْنَ** (ترجمہ:۔ پاس داری کرتے ہیں) یعنی حفاظت کرتے ہیں پس امانتوں اور سونپی ہوئی چیزوں میں خیانت نہیں کرتے اور معاہدوں میں بھی کسی قسم کی کوئی کمی بیشی نہیں کرتے۔ عہد میں نذر اور قسم بھی شامل ہے۔ اور عہد سے مراد شرعی عہد ہے۔ اسی طرف اللہ نے "اوفوا بالعھود" میں اشارہ فرمایا ہے۔

(۳۳) **وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ** (ترجمہ:۔ اور وہ اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں) پھر انہیں حکام کے پاس بہتر طور پر ادا کر کے قائم کرتے ہیں پس گواہیوں کا چھپانا جائز نہیں ہے۔ جیسے کہ ارشاد حقانی ہے۔ **ولا تكتموا الشهادة** ۔ اور جمہور نے **بشهاداتهم** کو واحد کے طور پر اور سلمیٰ، حفص اور ابو عمرو نے جمع کے طور پر پڑھا ہے۔ فراء نے کہا ہے کہ اسے بطور مفرد پڑھنے پر **اقيموا لشهادة** کا ارشاد باری تعالیٰ دلالت کرتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد کلمہ شہادت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تفسیر ماقبل کے اعتبار سے مناسب نہیں ہے۔

(۳۴) **وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ** (ترجمہ:۔ اور وہ جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں) یعنی اسے یاد رکھنے سے یا اس کے تمام ارکان کے ادا کرنے سے یا اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر حفاظت کرتے ہیں۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کر گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھتا تو وہ تجھے دیکھتا ہے۔

(۳۵) **اُولٰٓئِكَ** (ترجمہ:۔ یہ لوگ ہیں) ان صفات حمیدہ سے موصوف۔ **فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ** (ترجمہ:۔ جن کا جنتوں میں اکرام کیا جائے گا) مختلف قسم کی پذیرائیوں سے۔

(۳۶) **فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ** (ترجمہ:۔ تو ان کے منکرین کو کیا ہوا کہ آپ کی طرف دوڑے چلے آتے ہیں) اخفش نے کہا مھطعین کے معنی ہیں مسرعین۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اھطاء کے معنی ہیں گردن سیدھی رکھنا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے معنی ہیں آنکھیں کھول کر مسلسل دیکھنا۔ حکایت ہے کہ مشرک نبی ﷺ کے اردگرد حلقہ باندھ کر قران سنتے اور کہتے اگر یہ جنت میں داخل ہوئے جسے محمد ﷺ کہہ رہے ہیں تو ہم اس میں اس سے پہلے داخل ہوں گے۔ کلبی نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں یعنی آپ کی طرف دیکھنے والے اور اس طرح دیکھنے سے ان کی غرض محض رسول اللہ ﷺ کی استہزاء تھی۔

(۳۷) **عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ** (ترجمہ:۔ دائیں اور بائیں سے گروہ در گروہ) ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ العزین کے معنی ہیں دائیں بائیں سے لوگوں کا گروہ جو کہ آپؐ سے منہ موڑنے والے ہیں۔ استہزاء کرنے والے ہیں۔ عزین کا واحد

عزة ہے جیسے کہ ثبین کا واحد ثبة اور کرین کا واحد کرة ہے۔ازہری کہتے ہیں کہ اس کی اصل عزا فلان نفسه الی بنی فلان کے قول سے لی گئی ہے۔(عزا یعذوها عزوا) یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص اپنے آپ کو کسی کی طرف منسوب کرے۔اور اس کا اسم عزوة ہے اور ہر جماعت کی عزة ایک معاملہ کی طرف منسوب ہونے میں ہوتی ہے۔اس کی اصل ہے عزهتة۔اس کی جمع واؤ اور نون کے ساتھ بنائی گئی عزون جیسے کہ سنة اور اس طرح الفاظ کی جمع لائی جاتی ہے۔

(۳۸) **اَیَطْمَعُ کُلُّ امْرِیءٍ مِّنْهُمْ** (ترجمہ:۔کیا ان میں سے ہر شخص طمع کرتا ہے) یعنی کافروں اور منافقوں میں۔ **اَنْ یُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِیْمٍ** (ترجمہ:۔کہ وہ نعمت کی جنت میں داخل کر دیا جائے گا) بغیر ایمان لائے ہوئے۔جمہور نے ان یدخل بر بنائے مفعول پڑھا ہے۔اور ابو رجاء نے اور زید بن علی نے بر بنا فاعل پڑھا ہے۔

(۳۹) **کَلَّا** (ترجمہ:۔ہرگز نہیں) ان کی بے مقصد طمع سے جھڑکنے کے لئے یہ کلمہ استعمال کیا گیا ہے۔**اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا یَعْلَمُوْنَ** (ترجمہ:۔بے شک ہم نے انہیں اس چیز سے بنایا جس سے وہ جانتے ہیں) کہا گیا ہے کہ اس کے معنی ہیں اس عدت میں سے جسے وہ جانتے ہیں معنی یہ ہیں کہ ہم نے انہیں پیدا کیا ہے کہ وہ اپنے نفوس کو کامل بنائیں۔اور اپنے قلوب کی تہذیب کریں ایمان واطاعت الٰہی کے ذریعہ۔اور اللہ کا قلب وجوارح کے ساتھ شکر ادا کریں اس پر کہ اس نے انہیں عقل عطاء فرمائی۔پھر وہ ان تمام چیزوں کے نہ ہوتے ہوئے بھی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لانے والے اور اس کے حکم کی اطاعت کرنے والے لوگوں سے پہلے جنت میں داخل ہونے کی تمنا کیوں کر کرتے ہیں۔تو ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو تجارت نہ کرے مگر نفع کی تمنا کرے۔جو شخص کفر وفسوق پر اوندھے منہ گرا ہوا ہو وہ مطیع وفرمانبردار اور پر از یقین مومن والی تمنا کیوں کر کر سکتا ہے۔حالانکہ یہ جہل وگمراہی ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ لوگ جانتے ہیں کہ ہم نے انہیں نطفہ سے پیدا کیا ہے تو اس گندی چیز سے مخلوق ہونے کے باوجود اس جنت میں داخل ہونے کی طمع کیوں کر کرتے ہیں۔جو انتہائی پاکیزہ اور صاف ستھری جگہ ہے۔

(۴۰۔۴۱) **فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ** (ترجمہ:۔مجھے قسم ہے مشرقوں اور مغربوں کے رب کی) اس میں لا زائدہ ہے اور معنی یہ ہے کہ مشارق اور مغارب کے رب کی میں قسم کھاتا ہوں۔جمہور کی قراءت اس طرح نفی اور جمع کے ساتھ ہے۔اور اسے لام کے ساتھ بغیر الف کے بھی پڑھا گیا۔یعنی لا اُقسم معنی ہیں کہ سال کے ہر دن کا مشرق اور اس کا مغرب۔یا ہر ستارہ کا مشرق ومغرب۔عبداللہ بن مسلم اور ابن محیصن اور حمدی نے مفرد کے طور پر رب المشرق ورب المغرب پڑھا ہے۔معنی ہیں وہ مشرق ومغرب کی جہت اور وہ واحد ہے۔امام رازی نے فرمایا ہے کہ یہ بھی جائز ہے۔کہ مشرق سے مراد ہر نبی کی دعوت کا ظہور لیا جائے اور مغرب سے اس کی موت مراد لی جائے۔یا ان دونوں سے ہدایات اور خذلانات کے انواع لئے جائیں۔**اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ o عَلٰٓی اَنْ نُّبَدِّلَ خَیْرًا مِّنْهُمْ** (ترجمہ:۔بے شک ہم ضرور قادر ہیں اس پر کہ ان کے بدلے ان سے بہتر لوگ لے آئیں) یعنی انہیں ہم ہلاک کرنے اور ان کے بدلے میں ان سے بہتر لوگوں کو لانے پر قادر ہیں۔**وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ o** (ترجمہ:۔اور ہم عاجز نہیں) یعنی مغلوب

نہیں ہیں۔

(۴۲) **فَذَرْهُمْ** (ترجمہ:۔ انہیں چھوڑ دیں گے) یعنی انہیں رہنے دیجئے۔ **يَخُوضُوا** (ترجمہ:۔ پڑے رہیں) اپنے بطلان اور گمراہی میں **وَيَلْعَبُوا** (ترجمہ:۔کھیل تماشہ میں) اپنی دنیا میں ۔ **حَتّٰى يُلٰقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِى يُوْعَدُوْنَ** (ترجمہ:۔ یہاں تک وہ اپنے اس دن سے دوچار ہوں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے) یعنی قیامت کا دن اور یلاقوا کے معنی یلقوا کے ہیں۔ یہ آیت اس شخص کے حق میں نازل ہوئی ہے جو اپنے رب کی آیات میں غور وفکر نہیں کرتا۔ اور باطل کاموں میں اور لھو ولعب میں مست رہتا ہے اور اللہ کے اوامر ونواہی سے اعراض برتتا ہے۔ ابوجعفر اور ابن محیصن نے اسے لقی کے مضارع کے طور پر یلقوا پڑھا ہے۔

(۴۳) **يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ** (ترجمہ:۔جس دن وہ نکلیں گے) جمہور نے اسے بر بنائے فاعل پڑھا ہے ابن عطیہ کہتے ہیں کہ ابوبکر نے اسے امام عاصم سے مبنی بر بنائے مفعول روایت کیا ہے۔ اور ''یوم'' کو یومھم سے بدل ہے۔ **مِنَ الْاَجْدَاثِ** (ترجمہ:۔قبروں سے) اس کا واحد الجدث ہے یعنی قبر۔ اور حدیث میں ہے۔ نُبَوِّؤُهُمْ اجداثھم یعنی ہم انہیں ان کی قبروں میں اتاریں گے۔ اور جدف بھی کہا گیا ہے اس میں ''ف'' کو ''ثا'' سے بدل دیا گیا ہے۔ کیونکہ ان کا اس بات پر اتفاق ہے اس کی جمع اجداث ہے نہ کہ اجداف۔ **سِرَاعًا** (ترجمہ:۔دوڑتے ہوئے) یہ یخرجون کے فاعل سے حال ہے۔ یعنی مسرعین۔ **كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ** (ترجمہ:۔گویا کہ وہ بتوں کی طرف) نصب ہر وہ چیز جو گاڑھی جائے۔ اور اس کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی جائے۔ جمہور نے اسے ''ن'' کی زبر ص کے سکوت سے پڑھا ہے۔ ابواسحاق نے کہا ہے کہ جو اسے اس طرح پڑھتا ہے تو اس کے معنی ہیں ''الی علم منصوب'' فراء کہتے ہیں یہ واحد اور مصدر ہے اس کی جمع انصاب ہے۔ اور ابوعمران جونی اور مجاہد نے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی نصب اور ابن عامر اور حفص نے ''ص'' کے پیش کے ساتھ اور حسن اور قتادہ نے ''نون'' کے پیش اور ''ص'' کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ فراء کہتے ہیں کہ نَصُبُ اور نُصُب۔ ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی جائے۔ اس کی جمع انصاب ہے۔ اعشی نے رسول اللہ ﷺ کی تعریف میں کہا ہے۔

وذا النُّصُبَ المنصوب لا تنسُكنّه لعافية والله ربک فاعبدا

فاعبدا سے مراد فاعبدن ہے الف کے ذریعہ یہاں وقف کیا۔ ذاالنصب کے معنی ہیں ایاک۔ ازہری کہتا ہے کہ اعشی نے نُصُبَ کو واحد بنایا ہے۔ کیونکہ اس کی صفت المنصوب لایا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ شیطان کی عبادت نہ کر اللہ کی عبادت کر۔ فراء کہتے ہیں کہ نصب پتھر کے صنم کو کہتے ہیں۔ زید بن حارثہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی دوسرے کے ساتھ سوار گڑے ہوئے پتھروں میں سے کسی ایک طرف تشریف لے گئے۔ ہم نے وہاں ایک بکری کاٹی اور اسے اپنے توشہ دان میں رکھ لیا پھر زید بن عمرو سے ملاقات ہوئی۔ پھر ہم توشہ دان آپ ﷺ کے سامنے لے گئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں ایسی کوئی چیز نہیں کھاتا جو غیر اللہ کے لئے

ذبح کی گئی ہو۔اوراس قسم کی ابوذرؓ کی بھی ان کے قبول اسلام کے بارے میں حدیث ہے وہ کہتے ہیں کہ میں غش کھا کر گر گیا۔پھر جب میں نے سر اٹھایا تو میں سرخ پتھر کی طرح تھا۔ابوذرؓ کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے انہیں اتنا مارا کہ وہ لہولہان ہوگئے۔اور ذبح کئے ہوئے جانوروں کے خون کے ساتھ لت پت پتھر کی طرح سرخ ہوگئے۔زجاج کا قول ہے کہ **نصب** جمع ہے اس کی واحد **نصاب** ہے اور **نصب** کا واحد ہونا بھی جائز ہے اور اس صورت میں اس کی جمع **انصاب** ہوگی۔ابن سیدہ کہتے ہیں کہ **انصاب** سے مراد کعبہ کے گرد گڑے ہوئے پتھر ہیں جن پر غیر اللہ کے لئے جانور ذبح ہوتے تھے اور بتوں کی پرستش اور ان کی بڑائی بیان کرتے تھے ابوعمرو کہتے ہیں **نصب** اس پھندے کو کہتے ہیں جس میں شکار پھنس جاتا اور پھر شکاری اس کی طرف بھاگتا ہے کہ مبادا وہ بھاگ نہ جائے۔اخفش کہتا ہے کہ اس کی جمع نُصُبٌ ہے۔**يُّوْفِضُوْنَ** (ترجمہ:۔بھاگے جارہے ہیں) ابوعالیہ کہتا ہے کہ اپنے مقاصد ومفادات کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ایک شاعر نے کہا۔

فوارس ذبیان تحت الحدید کالجن یوفضن من عبقر

حسن کہتے ہیں کہ طلوع سورج کے وقت وہ لوگ اپنے گڑے ہوئے بتوں کی طرف بھاگتے تھے جس کی وہ عبادت کرتے تھے۔ تاکہ ان پر کوئی دوسرا سبقت نہ لے جائے۔پس اس طرح قیامت کے دن دوڑیں گے۔

(۴۴) **خَاشِعَةً** (ترجمہ:۔جھکی ہوئی ہوں گی) یہ یوفضون کی ضمیر سے حال ہے۔اور خشوع کے معنی ذلت ہیں۔ **اَبْصَارُهُمْ** (ترجمہ:۔ان کی آنکھیں) ابصار کو خشوع کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے۔اس لئے کہ ان میں اس کے آثار نمایاں ہوں گے۔ **تَرْهَقُهُمْ** (ترجمہ:۔چھارہی ہوگی ان پر) گھیرے میں لیا ہوگا۔ **ذِلَّةٌ** (ترجمہ:۔ذلت) اس سے مراد ان کے چہروں کی سیاہی ہے اور یہ جملہ مستانفہ ہے یا یوفضون کی ضمیر کا حال ہے۔دوسرا قول زیادہ مناسب ہے۔**ذٰلِكَ** (ترجمہ:۔یہ ہے) جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔ **الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ** (ترجمہ:۔وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا) یعنی انبیاء علیہم السلام کی زبانی۔